NATIONAL YOUTH AWARDEE

آئینۂ کردار

پروفیسر محمدؐ سلیم انصاری

ISBN-978-81-928144-7-6

Published — 21-January 2018

Scanned with OKEN Scanner

ISBN - 978-81-928144-7-6)

بموقع	:	**اعترافِ خدمات و تہنیتی تقریب** بہ اعزاز پروفیسر محمد سلیم انصاری صاحب
نوعیت	:	**سوینئر** (اعزازی مجلّہ)
مرتّب	:	انجمن محبّان محمد سلیم انصاری، مالیگاؤں
کمپیوٹر کمپوزنگ	:	عقیل ورلڈ D.T.P. سینٹر، اپنا سوپر مارکیٹ، جونا آگرہ روڈ، مالیگاؤں Mob.9860295151
سرورق تزئین	:	عقیل ورلڈ + محمد علی ماسٹر
ترتیب کار	:	انصاری محمد انور شبیر احمد، عابد حسین محمد صادق
ایڈیٹر	:	اعظمی محمد یٰسین محمد عمر
طباعت	:	نورانی پریس، آزاد کمپلیکس، جونا آگرہ روڈ، مالیگاؤں موبائیل: 9370436080
قیمت	:	مفت تقسیم (متعلقین و محبین کے لیے)
تعداد صفحات	:	
تعداد اشاعت	:	۱۰۰۰ (ایک ہزار)
سن اشاعت و اجراء	:	۲۱؍جنوری ۲۰۱۸ء

قومی یکجہتی کا روشن مینار، پروفیسر محمد سلیم انصاری

ڈاکٹر شاہینہ پروین صدیقی

پروفیسر محمد سلیم انصاری، والد صاحب کے قریبی دوستوں میں ہیں۔ جب بھی وہ دھولیہ سے مالیگاؤں تشریف لاتے، والد صاحب سے ملاقات کئے بغیر واپس نہ جاتے۔ لیکن ذاتی طور پر میرا اُن سے کوئی تعارف نہ تھا۔ ناگپور یونیورسٹی میں جس وقت میرا پی ایچ۔ڈی کا وائیوا ہونے جارہا تھا، اس دن مجھے معلوم ہوا کہ "سلیم چچا" بھی تشریف لائے ہیں۔ اخبارات کے ذریعے میں اُن کی کثیر الجہت سرگرمیوں سے واقف تھی۔ جب بھی کوئی پروگرام منعقد ہوتا، خواہ اُن کے وطن دھولیہ میں ہو، یا مالیگاؤں میں یا خاندیش کے کسی اور مقام پر..... اس کی رپورٹ مالیگاؤں کے مقامی اخبارات میں تفصیل سے شائع ہوتی اور ساتھ ہی ساتھ پروگرام کی تصویر بھی۔ اس لیے اِن تصویروں کے ذریعے ہی سہی میں اُن کی صورت سے آشنا ضرور تھی۔ میرے وائیوا کے لیے ملک کی مشہور یونیورسٹیوں کے دو اہلِ علم اور تشریف لائے تھے۔ دل میں ایک خوف سا تھا۔ اوپن وائیوا میں بہت سارے لوگ ہوں گے، طلبہ وطالبات ہوں گے اور پھر ایسے ایسے نامور اہلِ علم اور قلم کاروں کی موجودگی میں کیا میں سوالوں کا جواب دے پاؤں گی؟ کیا میرے جواب سے اُن کا اطمینان ہوسکے گا؟ میرے لیے اطمینان کی بات یہ تھی کہ وائیوا کی تقریب میں والدِ محترم ڈاکٹر الیاس صدیقی اور والدہ محترمہ دونوں موجود تھے۔ وائیوا شروع ہونے سے چند منٹ قبل ایک طویل القامت شخص میری طرف بڑھے میں والد صاحب کے ساتھ ایک جگہ کھڑی تھی۔ انہوں نے والد صاحب کو سلام کیا اور پھر نہایت شفقت آمیز لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوئے۔ "شاہینہ بیٹی! ذرا بھی مت گھبرانا، تمہارے یہ چچا تمہیں سنبھالنے کے لیے موجود ہیں۔ بے فکر ہو کر ہر سوال کا جواب دینا....." اتنا سننا تھا کہ جیسے سارا ذہنی تناؤ یک لخت کافور ہوگیا۔ میں نے کہا "انشاء اللہ چچا جان! میں پوری کوشش کروں گی....." مجھے اعتماد عطا کرنے والے پروفیسر محمد سلیم انصاری ہی تھے۔

پھر یوں ہوا کہ اِس عدالت میں میرے کٹہرے میں کھڑے ہونے کا یعنی وائیوا کے لیے امیدوار کی کُرسی پر بیٹھنے کا وقت آیا۔ سلیم چچا نے ایک ایسا سوال میری طرف اُچھالا کہ جس کے جواب میں میرا مقالہ میری نظروں کے سامنے آگیا۔ میں نے نہایت اطمینان سے پورے اعتماد کے ساتھ اپنی بات رکھی۔ میں نے چچا کے چہرے پر اطمینان کی لہریں صاف محسوس کیں۔ ایک پروفیسر جو بڑی دور سے تشریف لائے تھے۔ انہوں نے میرے مقالے کے تعلق سے سوالات کی جھڑی لگادی۔ میں یکے بعد دیگرے اُن کے سوالات کے جوابات دیتی رہی۔ نہ رکی، نہ جھجک محسوس کی۔ وائیوا ختم ہوا میں نے سب کا شکریہ ادا کیا۔ یہ تھی سلیم چچا سے میری پہلی ملاقات۔ میں یہ تفصیل اِس لیے لکھ رہی ہوں تاکہ بتا سکوں کہ کس طرح کسی شخص کا ایک جملہ، خلوص سے بھرا ہوا، شفقتوں سے پُر کسی انسان کے دل میں اعتماد و یقین کی فضا پیدا کر دیتا ہے۔

محمد سلیم انصاری سر گفتار و کردار ہی نہیں لباس اور رکھ رکھاؤ کے معاملے میں بھی سمجھوتہ کرنے کے قائل نہیں۔ مطلب یہ کہ وہ اس

معاملے میں بھی منافقت سے دور ہی رہتے ہیں۔ چہرہ باریش، سفید لباس، سر پر گول چینی کٹورا جو مراٹھی انگریزی اخبارات میں ایک شخص کے مسلمان ہونے کی علامت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ محفلِ نعتؐ ہو، محفل نغمہ ہو، علمی مجلس ہو، یا کوئی جلسہ ہو وہ اپنی "مسلم شناخت" کبھی نہیں چھوڑتے۔ میں آج کل کے مسلمانوں کو دیکھتی ہوں کہ غیر مسلموں کے کسی پروگرام میں شرکت کرتے ہوئے اپنا حلیہ اس طرح سے بناتے ہیں کہ ان میں اور غیر مسلموں میں امتیاز مشکل ہو جاتا ہے۔ سلیم سر کا حال یہ ہوتا ہے کہ اسٹیج پر بیسیوں غیر مسلم شخصیات تشریف فرما ہوں، سلیم سر کو دور سے ہی دیکھ کر لوگ پہچان لیتے ہیں۔

میرے دل میں موصوف کی شخصیت کے تعلق سے ایک کرید پیدا ہوئی۔ میں نے نہ صرف اُن کا انٹرویو لیا، ان کے کوائف کا مطالعہ کیا بلکہ والد صاحب سے بھی اُن کے تعلق سے بہت سی معلومات حاصل کیں۔ تب جا کر مجھ پر روشن ہوا کہ یہ شخص تو "قومی یک جہتی کا ایک روشن مینار" ہے۔ ان پر تو باقاعدہ ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے اور انشاء اللہ موقع رہا تو اُن کی بایوگرافی پر ایک دن ضرور قلم اُٹھاؤں گی۔ اِس وقت تو یہ بتانا مقصود ہے کہ سلیم سر نے کس طرح غیر مسلموں کے دل میں اپنے لیے عزت کا مقام بنایا۔ کیسے اُن کی نظروں میں احترام حاصل کیا اور کیسے اپنے فن کے ذریعے، اپنے آئینہ جیسے دل کے ذریعے، ہندوؤں اور مسلمانوں کو قریب لانے کا کارنامہ انجام دیا۔

سلیم سر کو اللہ ربّ العزت نے نہایت سُریلی اور بلند آواز سے نوازا ہے۔ اِس خوبصورت آواز کا استعمال وہ نعتِ پاکؐ کی محفلوں میں کرتے آئے ہیں۔ جب اُن کی آواز بلند ہونا شروع ہوتی ہے تو سامعین پر سحر سا طاری ہو جاتا ہے اور جب لمبے وقفے تک وہ آواز کو کھڑی کئے رہتے ہیں تو اچھے اچھے گائک کا سانس بھی پھولنے لگتا ہے۔ موسیقی میں اُن کی مہارت نے نہ جانے کتنے غیر مسلم عقیدت مندوں کو اُن کے پاؤں چھونے پر مجبور کر دیا۔ یہی تو سلیم سر کا کمال ہے۔ ہم میں بہت سے لوگ ہیں جو ذرا سا ہنر، ذرا سی صلاحیت پا لیتے ہیں تو "ہمچو من دیگرے نیست" کا نعرہ بلند کرنے لگتے ہیں۔ سلیم سر کی گائیکی، اُن کی بنائی ہوئی طرزیں، اُن کا پرفارمنس، ایسا بھرپور اور متاثر کن ہوتا ہے کہ لوگ جھوم جاتے ہیں۔ ایک زمانے میں اُن کے آرکیسٹرا نے دور دور تک کامیابی کے جھنڈے گاڑے تھے۔ ایک اور کمال جو سلیم سر نے دکھایا وہ مہاراشٹر میں گنے چُنے لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ ہزاروں طلبہ و طالبات جو ایک میدان میں بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں، اُن میں ہندو بھی ہیں مسلم بھی، ان میں سکھ بھی ہیں، عیسائی بھی اِن میں اونچی ذات کے بھی ہیں، دلت بھی۔ اِن سب کو ایک سُر، ایک لے، ایک تال اور ایک آواز میں اِس خوبصورتی کے ساتھ سلیم سر دیش بھکتی کا نغمہ کامیابی کے ساتھ گانے کی ایسی تربیت دیتے ہیں اور پھر بڑے بڑے آفیسر اور وزراء کے سامنے اتنی خوبصورتی اور اعتماد کے ساتھ پیش کر دیتے ہیں کہ سننے والے حیران ہو جاتے ہیں۔ سلیم سر کے سامنے بیٹھا ہوا طالب علم اُن کی نظروں میں نہ ہندو ہوتا ہے، نہ مسلمان... وہ ایک انسان ہوتا ہے۔ ہر فرق سے بے نیاز۔ ہر امتیاز سے دور۔

آہستہ آہستہ سلیم سر کی مخلصانہ کاوشوں کی خوشبو حکومتِ ہند تک پہنچتی ہے اور حکومتِ ہند کی نگاہوں میں یہ موتی اُبھر کر سامنے آجاتا ہے۔ استاد ذوقؔ دہلوی نے فرمایا تھا۔

نظرِ خلق سے چھپ سکتے نہیں اہلِ صفا
تہہِ دریا سے چمک کر نکل آیا گوہر

یہ موتی دھولیہ کے سمندر میں نہیں، پاس پڑوس کے اضلاع میں بھی چمکا اور اپنی روشنی چاروں طرف اس طرح بکھیر دی کہ حکومتِ ہند کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ اور انہیں ایک بہت بڑے اعزاز سے نوازا گیا۔ وہ تھا "نیشنل یوتھ ایوارڈ" جو انہیں وزیر اعظم وی۔ پی سنگھ کے ہاتھوں دیا گیا۔ دوسرا اعزاز جو انہیں ملا وہ تھی 'نیشنل یوتھ کونسل آف انڈیا' کی رکنیت۔ اِس کونسل میں بڑے بڑے فنکار، کھلاڑی اور دوسرے ماہرین کو رکنیت دی جاتی ہے۔ یہ رکنیت دراصل ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ غور کیجیے جس کونسل میں اظہر الدین جیسا کھلاڑی موجود ہو اس میں سلیم سر کا رکن بننا کوئی معنی رکھتا ہے یا نہیں۔

دوسری حیرت انگیز بات یہ کہ "نیشنل یوتھ کونسل" کی رکنیت پاتے ہی اُن کے اعزاز اور ستکار کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ دھولیہ اور آس پاس کے اضلاع کی بہت سی تنظیمیں اُن کا ستکار کرنے کے لیے قطار میں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی کم از کم اسّی تنظیمیں اُن کے استقبال کے لیے پروگرام منعقد کرتی ہیں۔ کیا یہ سارے پروگرام اس لیے ہوئے کہ سلیم سر مسلمان ہیں؟ کیا یہ اعزاز اس لیے ہے کہ وہ مسلمانوں کی گول ٹوپی پہنتے ہیں؟ کیا یہ استقبال اس لیے ہے کہ وہ نمازوں کی پابندی کرتے ہیں؟ میرا ذہن سوالات پر سوالات کرتا چلا جاتا ہے۔ میں اِن سوالوں کا جواب تلاش کرنا چاہتی ہوں۔ تب مجھ پر یہ روشن ہوتا ہے کہ یہ اعزاز اس لیے ہے کہ سلیم سر مسلمان ہوتے ہوئے بھی اپنا فن غیر مسلموں میں تقسیم کرنے میں نہیں جھجکتے۔ یہ استقبال اس لیے ہے کہ وہ تربیت دینے میں مذہب اور ذات برادری کی کوئی تخصیص نہیں کرتے۔ یہ ستکار اس لیے ہے کہ وہ ہر مذہب کے لوگوں سے خلوص اور محبت کے ساتھ ملتے ہیں اور گویا زبانِ حال سے کہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ

ان کا جو کام ہے وہ اہلِ سیاست جانیں
میرا پیغامِ محبت ہے جہاں تک پہنچے

ابھی تو داستانِ عقیدت کا بڑا حصہ باقی ہے۔ انہیں "پروفیسر" جیسا عظیم عہدہ ملا، انہیں اپنے کالج میں بلند مقام ملا۔ ان کی سبکدوشی پر غیر مسلموں کی جانب سے ایک ایسا شاندار پروگرام منعقد ہوا جس کی مثال شہر دھولیہ کی تاریخ میں نہیں ملتی لیکن۔ یہ کہانی پھر سہی۔ فی الحال اِن چند سطروں پر اکتفا کرتی ہوں۔ انشاء اللہ مستقبل قریب میں سلیم سر کے تعلق سے ایک مبسوط مقالہ کتابی شکل میں آپ کے سامنے پیش کروں گی۔ تیاریاں جاری ہیں۔ آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔

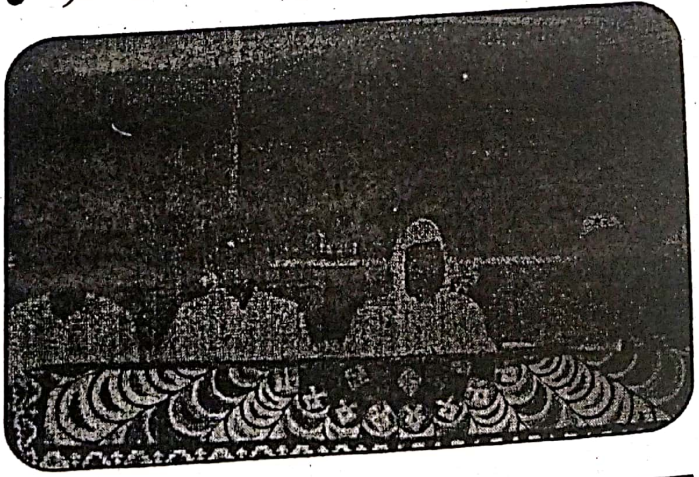

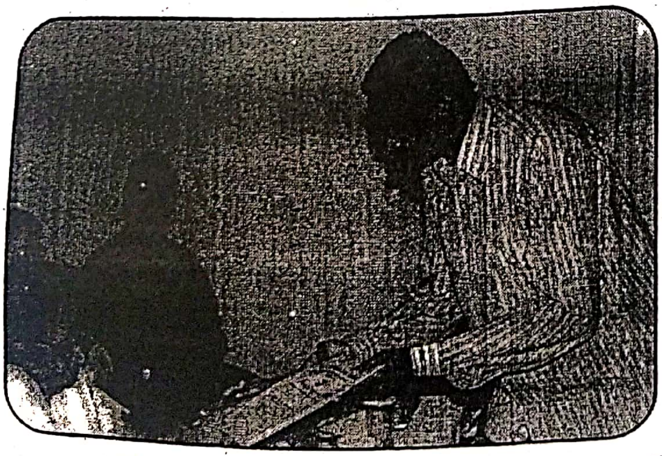

Scanned with OKEN Scanner